تقریر

تقریر بابت محرم الحرام
وقت 5-7 منٹ

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا المناک سانحہ اور واقعہ کربلا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرۃ:155)

اور جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں ان کو مردے نہ کہو بلکہ (وہ تو) زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

سَر دے کے ہی حسین بنے سَردارِ کُل بہشت
فرمان خوب نانا کا ہے نبھایا حسینؓ نے
سَر دے کے ہی حسینؓ نے پایا بلند مقام
تاجِ رضائے یار ہے سجایا حسینؓ نے

معزز سامعین! مجھے آج حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے المناک سانحہ اور واقعہ کربلا کو اختصار سے آپ کے سامنے رکھنا ہے۔

یہ ایک کئی مہینوں پر پھیلی ایک طویل داستان ہے جس کو سننا اور سوچ و بچار و سمجھ کے ساتھ سننا اِس لئے بھی ضروری ہے کہ مامورِ زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

"ہم امام حسین رضی للہ عنہ کی اتباع میں ایسے کھوئے جائیں کہ خود حسین بن جاویں"

سامعین! آج سے 1400 سال قبل محرم کے اِن دنوں میں ایک روح فرسا واقعہ پیش آیا کہ جس کو آج بھی پڑھنے والے اور سننے والے کا دل سخت رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ جگر گوشہ بتول حسین جس کو حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گود میں کھلایا کرتے تھے، جس کا بوسہ لیا کرتے تھے، آپؐ نے جس کو جنت کے نوجوانوں کا سردار کہا۔ جو خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا روشن چراغ تھا۔ جو حضرت علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجهه کا صاحبزادہ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کا لختِ جگر تھا، اس کو نہایت سفاکی و بے رحمی سے زمین کربلا میں شہید کر دیا گیا۔

حضرت امیر معاویہؓ اموی خلافت کے بانی تھے۔ آپ اور آپ کے والد ابوسفیان، والدہ ہند اور آپ کے بھائی یزید فتح مکہ کے روز اسلام لائے۔ امام ترمذی نے اپنی سنن میں آپ کے بارہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

"اے اللہ! تو ان کو ہدایت دے اور ہدایت یافتہ بنا دے اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے۔"

حضرت حسنؓ نے اپنے والد محترم حضرت علیؓ کی وفات کے بعد مسلمانوں سے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عامر بن کریز کو مقدمۃ الجیش کے طور پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ کوفہ سے مدائن کی طرف بڑھے اور ساباط پہنچ کر اپنی فوج میں کمزوری اور پہلو تہی دیکھ کر آپ نے حسب ذیل تقریر کی۔

"میں کسی دل کے لئے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تمہارے لئے بھی وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں امید ہے کہ اسے مسترد نہ کرو گے۔ جس اتحاد اور یکجہتی کو تم ناپسند کرتے ہو وہ اس تفرقہ اور اختلاف سے کہیں افضل و بہتر ہے جسے تم چاہتے ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر اشخاص جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور لڑنے سے بزدلی دکھا رہے ہیں میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور نہیں کرنا چاہتا"

اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے چند شرائط پر امیر معاویہؓ کے ساتھ صلح کر لی۔ صلح کے بعد حضرت حسنؓ آخری لمحہ حیات تک اپنے جد بزرگوار کے جوار میں خاموشی اور سکون کی زندگی بسر کرتے رہے۔ پچاس ہجری میں آپ کی وفات ہوئی اور آپ کو جنت البقیع میں حضرت فاطمۃ الزہراء کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا۔ حضرت مسیح موعودؑ، حضرت حسنؓ کے صلح کرنے اور حضرت امام حسینؓ کے یزید کی بیعت نہ کرنے کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔

''حضرت علی کے وقت میں اندرونی فتنے ضرور تھے۔ ایک طرف معاویہ تھے اور دوسری طرف علیؓ اور ان فتنوں کے باعث مسلمانوں کے خون بہے۔ 6 سال کے اندر اسلام کے لیے کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ اسلام کے لئے تو عثمانؓ تک ہی ساری کارروائیاں ختم ہو گئیں۔ پھر تو خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ حضرت حسنؓ نے میری دانست میں بہت اچھا کام کیا کہ خلافت سے الگ ہو گئے۔ پہلے ہی ہزاروں خون ہو چکے تھے۔ انہوں نے پسند نہ کیا کہ اور خون ہوں۔ اس لیے معاویہ سے گزارہ لے لیا۔ چونکہ حضرت حسنؓ کے اس فعل سے شیعہ پر زد ہوتی ہے اس لیے امام حسنؓ پر پورے راضی نہیں ہوئے۔ ہم تو دونوں کے ثناخواں ہیں۔ اصلی بات یہ ہے کہ ہر شخص کے جدا جدا قویٰ معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت امام حسنؓ نے پسند نہ کیا کہ مسلمانوں میں خانہ جنگی بڑھے اور خون ہوں۔ انہوں نے امن پسندی کو مدنظر رکھا اور حضرت امام حسینؓ نے پسند نہ کیا کہ فاسق فاجر کے ہاتھ پر بیعت کروں کیونکہ اس سے دین میں خرابی ہوتی ہے۔ دونوں کی نیت نیک تھی۔ اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ یہ الگ امر ہے کہ یزید کے ہاتھ سے بھی اسلامی ترقی ہوئی۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ وہ چاہے تو فاسق کے ہاتھ سے بھی ترقی ہو جاتی ہے۔ یزید کا بیٹا نیک بخت تھا۔''

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 579-580)

یوں امیر معاویہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کے بعد اپنی حکومت کی بنیاد رکھی۔ 56ھ میں امیر معاویہ نے اپنی وفات کے بعد مسلمانوں کو خانہ جنگی سے بچانے اور ان کی مرکزیت کو مستحکم کرنے کے خیال سے یزید کی ولی عہدی کا فیصلہ کیا۔ حضرت امیر معاویہؓ اس بات پر مجبور تھے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ضرور اور کئی لوگ اسلامی بادشاہ ہونے کا دعویٰ کر لیتے اور دوبارہ خونریزی کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ شامی کبھی بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرتے۔ حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں:

''ہم معاویہ کو بھی گنہگار نہیں کہہ سکتے کیونکہ انہوں نے اس وقت کے لحاظ سے مجبور ہو کر ایسا کیا مگر یزید کو بھی بلکہ خود معاویہ کو بھی خلیفہ نہیں کہہ سکتے ہاں ایک بادشاہ کہہ سکتے ہیں''

(انوار العلوم جلد 15 صفحہ 556)

سامعین! امیر معاویہؓ نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت لینا چاہی تو بعض صحابہ نے اس امر کی مخالفت کی۔ عبد اللہ ابن زبیر نے تجویز کیا کہ آپ مکہ میں رہ کر اپنی خلافت کی جدوجہد کریں ہم سب آپ کی مدد کریں گے۔ لیکن جب امام حسینؓ رضامند نہ ہوئے تو حضرت عبد اللہ ابن عباس نے آپؓ کو کوفہ کی بجائے یمن جانے کی تجویز پیش کی اور کہا کہ اگر کوفہ کا سفر آپ کے نزدیک ضروری ہے تو پہلے کوفیوں کو لکھیے کہ وہ یزید کے حاکموں کو وہاں سے نکالیں پھر آپ وہاں کا قصد کریں۔ لیکن حضرت امام حسین نے کہا کہ ''میں جانتا ہوں کہ تم میرے خیر خواہ ہو۔ لیکن میں عزم کر چکا ہوں۔''

(مروج الذھب و معادن الجوھر جلد چہارم صفحہ 80)

حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید تخت پر بیٹھا۔ امام عسقلانی یزید کی حکومت کے اوائل ایام اور اس کی بیعت کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''اپنی حکومت کے اوائل میں اس نے لوگوں کو اپنی بیعت کا حکم دیا۔ کچھ لوگوں نے بیعت کر لی۔ مگر حضرت امام حسین بن علی، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر نے اس کی بیعت نہ کی۔ اس پر یزید نے مدینہ پر مامور عامل ولید بن عتبہ کو خط لکھا کہ تم ان لوگوں سے بیعت لو۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ الجزء الثانی صفحہ 67)

اس پر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اس کی بیعت کر لی جبکہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ مکہ چلے گئے۔ ولید عامل مدینہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میں ایک شدید مزاحمت کا عنصر دیکھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بڑے بھائی امام حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ کے ساتھ صلح کی بھی مخالفت کی تھی۔ چنانچہ امام ابن اثیر اپنی شہرہ آفاق کتاب، اسد الغابۃ میں لکھتے ہیں:

''حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنے بھائی کی امیر معاویہ سے صلح اور ان کی معاملہ خلافت کی سپردگی کو بھی ناپسند کیا۔ جب آپ نے اس معاملہ میں حضرت حسن سے کچھ بحث کی تو آپ نے امام حسین کو خاموش رہنے کو کہا اور فرمایا، میں اس معاملہ کو تم سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔'' (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد دوم صفحہ 172)

جب یزید کی بیعت کا چرچا بڑھنے لگا تو امام حسینؓ رجب 60ھ کے آواخر میں مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے اور شعبان 60ھ کے پہلے ہفتے میں مکہ پہنچے۔ اہل کوفہ نے حضرت امام حسینؓ کی جانب خطوط لکھنا شروع کئے۔ بعض نے یہاں تک لکھا کہ ایک لاکھ لوگ آپؓ کے انتظار میں نگاہیں فرش راہ کئے بیٹھے ہیں اور آپؓ کی بیعت کے لئے تیار ہیں۔

ان خطوط میں سے بعض کا ذکر المسعودی نے اپنی مایہ ناز تاریخ مروج الذھب و معادن الجوھر میں یوں کیا ہے۔ اہل کوفہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی جانب خطوط لکھے کہ ہم آپ کی بیعت کرنے کے لئے رکے ہوئے ہیں اور ہم آپ پر اپنی جانیں تک وار دیں گے۔ ہم آپ کے سبب (یعنی آپ کی بیعت کے انتظار میں) نہ ہی ہم جمعہ کی نماز کے لئے مساجد میں جارہے ہیں اور نہ ہی نماز باجماعت کے لئے۔

(مروج الذھب و معادن الجوھر جلد چہارم صفحہ 78)

امام ابن کثیر نے ان خطوط کی تعداد چالیس ہزار لکھی ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ہشتم صفحہ 336)

ان خطوط کے پڑھنے کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے باوجود بعض جیّد صحابہ اور رفقاء کی مخالفت کے مکہ سے کوفہ کی جانب نکلنے کی تیاری شروع کی۔

امام ابن اثیر نے اپنی کتاب، اسد الغابۃ میں ان رفقاء کے منع کرنے پر امام حسین رضی اللہ عنہ کے جواب کا ذکر یوں کیا ہے کہ

”حسین (رضی اللہ عنہ) نے ان کو کہا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا۔ مَیں اسی کی بجا آوری کے لئے جارہا ہوں۔“

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد دوم صفحہ 172)

حضرت امام حسین مع اہل وعیال مکہ روانہ ہوگئے۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر لوگ جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے۔ 10 ذوالحجۃ کو مکہ سے عراق کی جانب نکلے۔ آپ نے خود نکلنے سے قبل حضرت مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ بھیجا۔ اس کی منظر کشی امام محمد بن جریر الطبری نے اپنی کتاب تاریخ طبری میں کرتے ہوئے لکھا۔

”حضرت امام حسین نے ان خطوط کی وصولگی کے بعد حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہ اصل صورت حال معلوم کریں۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر لوگ اکٹھے ہوئے۔ اس بات کا علم ابن زیاد کو ہوا۔ تو وہ ہانی بن عروہ کے گھر آیا اور آپ کو قتل کر دیا...اس کے بعد ابن زیاد کو مسلم بن عقیل کی مخبری کی گئی اور بالآخر مسلم بن عقیل کو بھی شہید کر دیا گیا۔“

(صحیح تاریخ الطبری، الخلافۃ فی عہد الامویین، المجلد الرابع صفحہ 114)

سامعین! حضرت مسلم بن عقیلؓ کے کوفہ پہنچنے پر آپ نے لوگوں کو جمع کیا، حضرت مسلم بن عقیلؓ کے کوفہ پہنچنے کے پہلے ہی دن بارہ ہزار کوفیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ کوفہ کے حاکم نے ان کے ساتھ نرمی سے کام لیا۔ کوفیوں کے جذبات سے متاثر ہو کر حضرت مسلم بن عقیلؓ نے امام حسین علیہ السلام کو کوفہ آنے کا خط لکھا۔ مگر وہی جو امام حسین کی بیعت کا دم بھرتے تھے انہوں نے بعد میں آپ کو تنہا چھوڑ دیا۔ اس سلسلہ میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”مسلمؓ نے 70 ہزار آدمیوں کو نماز پڑھائی اور اُن سے حضرت امام حسینؓ کی رفاقت کا عہد لیا۔ مگر جب کسی شخص نے یزید کے آنے کی خبر دی۔ تو سب کے سب آپ کو تنہا چھوڑ گئے۔“

(ملفوظات جلد اول صفحہ 249)

یزید نے فوراً حضرت نعمان بن بشیر کو ان کی نرمی و لطف کی بناء پر معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ کوفہ پہنچ کر اس نے اعلان کیا کہ جو لوگ مسلم بن عقیل سے اپنی وفاداریاں توڑ لیں گے انہیں امان دی جائے گی۔ اس کے بعد ہر محلہ کے رئیس کو بلایا اور اسے اپنے اپنے علاقہ کے امن و امان کا ذمہ دار قرار دے کر مسلم بن عقیل کی جائے پناہ کی تلاش شروع کر دی۔ اس وقت مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ کے ہاں چلے گئے۔ عبید اللہ بن زیاد نے ہانی بن عروہ کو بلا کر مسلم کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ ہانی بن عروہ نے انکار کر دیا جس پر انہیں قید میں ڈال کر مار پیٹ کی گئی اور حضرت مسلم بن عقیلؓ کے متعلق لکھا ہے کہ

”مسلم بن عقیل کو شہید کرنے کے بعد ابن زیاد نے آپ کو سولی پر چڑھایا اور آپ کا سر دمشق بجھوایا گیا۔ یہ بنو ہاشم میں سے سب سے پہلے شخص تھے جن کو سولی پر چڑھایا گیا اور جن کا سر تن سے الگ کر کے دمشق بجھوایا گیا۔“ (مروج الذھب و معادن الجوھر جلد چہارم صفحہ 86)

مسلمؓ نے شہادت سے قبل محمد بن اشعث سے کہا کہ امام حسینؓ کو میری حالت کی خبر پہنچا دینا اور کہہ دینا کہ واپس لوٹ جائیں، اہل کوفہ پر ہرگز اعتماد نہ کریں۔ کیونکہ آپؓ نے اپنی گرفتاری سے قبل ان ظاہری حالات کو دیکھ کر حضرت حسینؓ کو لکھ بھیجا تھا کہ سارا شہر آپ کا منتظر ہے فوراً تشریف لائیے۔ حضرت حسینؓ نے یہ خط پا کر سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب آپ کی تیاریوں کی خبر مشہور ہوئی تو تمام مخلصوں نے آپ کو روکنے کی سرتوڑ کوشش کی اور کہا کہ ان لوگوں نے پہلے حضرت علیؓ سے غداری کی اور پھر آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا وہ آپ کے سامنے ہے علاوہ ازیں وہاں حاکم بھی شامی ہی ہے۔ آپ نے فرمایا اگر میں حرم سے ایک بالشت بھی باہر قتل کیا جاؤں تو وہ مجھے حرم میں قتل ہونے سے زیادہ پسند ہے اور کسی طرح حرم میں قیام کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ آپ نے سفر شروع کیا اور جب صفاح پہنچے تو آپؓ کو مشہور عرب شاعر فرزدق بھی ملا، آپؓ نے اس سے عراق کے ”موسم“ کا احوال پوچھا تو اس نے جواب میں کہا۔

اے پسر رسول! ان کے دل تو شاید آپ کے ساتھ دھڑکتے ہوں مگر تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں اور جب آپ قادسیہ پہنچے تو آپ کو حر بن یزید بن تمیمی ملا اور اس نے آپ کو حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت کی خبر دی اور مشورہ دیا کہ آپ واپس تشریف لے جائیں۔ اس پر آپ واپسی پر آمادہ ہو گئے مگر مسلم بن عقیل کے بھائیوں نے اصرار کیا کہ ہم اپنے بھائی کا بدلہ لئے بغیر ہرگز واپس نہیں جائیں گے خواہ ہم سب قتل ہو جائیں۔ جب ابن زیاد کو اس بات کا علم ہوا کہ امام اپنے اصحاب کے ساتھ عازم سفر ہیں تو اس نے بصرہ اور شام کے درمیانی راستہ واقصہ پر ناکہ لگا دیا اور حکم دیا کہ اس علاقہ سے نہ ہی کسی کو آنے دیا جائے اور نہ جانے دیا جائے۔ امام اپنے راستہ میں بعض اعرابیوں سے ملے اور ان سے حال احوال پوچھا اور راستہ سے متعلق معلومات لینا چاہیں۔ ان اعرابیوں نے آپ کو بتایا کہ وہاں راستہ میں ناکہ لگا ہوا ہے نہ کسی کو آنے دیا جارہا ہے نہ جانے دیا جارہا ہے۔ آپ نے سفر جاری رکھا۔

راستہ میں عبد اللہ بن جعفر کا خط ملا کہ میں خدا کا واسطہ دلاتا ہوں۔ خط ملتے ہی فوراً واپس لوٹ جایئے مجھے ڈر ہے کہ جہاں آپ جارہے ہیں وہاں آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کی بربادی ہے اور عمرو بن سعید حاکم مکہ سے امان کا خط بھی لکھوا یا پڑھ کر آپ نے اپنی اُسی خواب کا ذکر فرمایا جو میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ حضرت امام حسینؓ اور آپ کے رفقاء کو قادسیہ کے قریب کوفہ کے جنوب میں حر بن یزید التمیمی کی سربراہی میں لگ بھگ 1,000 افراد نے روک لیا اور کہا کہ امام حسین کو اس کے ساتھ ابن زیاد کے پاس جانا چاہیے، جس سے آپ نے انکار کر دیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ قادسیہ کی طرف بڑھنے لگا اور حر ان کے پیچھے آگیا۔ نینوا میں حر کو ابن زیاد کی طرف سے حکم ملا کہ امام حسین کا قافلہ بغیر کسی قلعے اور پانی کے ویران جگہ پر رکنے پر مجبور کیا جائے۔ آپ کے ایک ساتھی نے مشورہ دیا کہ وہ حر پر حملہ کریں اور اقرار کے قلعے والے گاؤں چلے جائیں۔ حضرت امام حسینؓ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ وہ دشمنی شروع نہیں کرنا چاہتے۔“

(ماخوذ از تاریخ الطبری (ذیول) تاریخ الرسل والملوک المجلد الخامس صفحہ 411-414 والاصابۃ فی تمییز الصحابۃ الجزء الثانی صفحہ 69)

3 محرم 61ھ کو چار ہزار افواج کے ساتھ ابن سعد نینوہ پہنچا۔ دوسرا حکم یہ پہنچا کہ حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کر دو۔ اس حکم پر ابن سعد نے پانچ سو سواروں کا ایک دستہ فرات پر پانی روکنے کے لئے متعین کر دیا۔ اس دستہ نے ساتویں محرم سے پانی روک دیا۔ جب حسینی لشکر پر پیاس کا غلبہ ہوا تو حضرت حسینؓ نے اپنے سوتیلے بھائی عباس بن علیؓ کو تیس سواروں اور بیس پیادوں کے ساتھ پانی لینے بھیجا۔ یہ چشمے پر پہنچے تو عمرو بن حجاج مزاحم ہوا لیکن عباس نے مقابلہ کر کے ہٹا دیا اور پیادوں نے ریلا کر کے مشکیں بھر لیں اور واپس آگئے۔ ابن سعد دنیاوی جاہ و حشم کی طمع میں حضرت حسینؓ سے لڑنے پر آمادہ ہو گیا تھا پھر بھی اس کا دل برابر ملامت کر رہا تھا۔ اس لئے برابر جنگ ٹالتا رہا کہ کسی طرح اس گناہ عظیم سے بچنے کی کوئی صورت نکل آئے۔ ابن زیاد نے نہایت سخت فرمان بھیجا کہ یا تو فوراً حملہ کر دو یا فوج ذی الجوشن کے حوالہ کر کے الگ ہو جاؤ۔ ابن سعد کے ضمیر میں اب بھی کشمکش جاری تھی لیکن رَے کی حکومت نہیں چھوڑی جاتی تھی اس لئے نفس غالب آگیا اور وہ اس بارِ عظیم کو اٹھانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ 9 محرم کو عصر کے وقت ابن سعد کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت حسینؓ کی فرودگاہ پر آیا اور کہا کہ ہم فلاں فلاں مقصد کے لئے آئے ہیں جس میں آغاز جنگ کی طرف اشارہ تھا۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ رات بھر کی اور مہلت دے دو تا کہ اس آخری رات کو دعائیں مانگ لیں اور توبہ و استغفار کر لیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی واپسی کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

”میں خدا کا بہترین ثناء خواں ہوں اور مصیبت اور راحت ہر حال میں اس کا شکر گزار ہوں۔ خدایا! میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے ہم لوگوں کو نبوت سے سرفراز کیا۔ ہم کو قرآن سکھایا اور دین میں فہم عطا کیا اب ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرما۔ امابعد مجھے کسی کے ساتھی اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اور کسی کے اہل اپنے اہل بیت سے زیادہ نیکوکار اور صلہ رحمی کرنے والا کوئی دوسرا معلوم نہیں ہوتا۔ خدا تم لوگوں کو میری طرف سے جزائے خیر دے۔ میں تم لوگوں کو بخوشی واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی ملامت نہ ہوگی۔ رات ہو چکی ہے۔ ایک ایک اونٹ لے لو اور ایک ایک آدمی میرے ایک ایک اہل بیت کا ہاتھ پکڑ کے ساتھ

لے لے۔ خدا تم سب کو جزائے خیر دے۔ تم لوگ اپنے اپنے شہروں اور دیہاتوں میں چلے جاؤ یہاں تک کہ خدا یہ مصیبت آسان کر دے یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ لوگ مجھی کو ڈھونڈیں گے میرے بعد کسی کو تلاش نہ کریں گے"

سب اعزہ نے یک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہم صرف اس لئے چلے جائیں کہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہم کو یہ دن نہ دکھائے۔ اس کے جواب پر حضرت حسینؓ نے بنو عقیل سے فرمایا کہ مسلم کا قتل تمہارے لئے بہت ہو چکا اس لئے تم کو اجازت دیتا ہوں کہ تم لوگ لوٹ جاؤ۔ لیکن با حمیت بھائیوں نے جواب دیا کہ ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے کہ اپنے سردار اپنے آقا اور اپنے چچا کے بیٹے کو چھوڑ آئے ایک تیر بھی نہ چلایا، ایک نیزہ بھی نہ مارا اور تلوار کا ایک وار بھی نہ کیا اور معلوم نہیں کہ ان کا کیا حشر ہوا۔ خدا کی قسم! ہم ہر گز ایسا نہ کریں گے۔ حضرت امام حسینؓ نے رات جان دینے کے لئے تیاریاں شروع کیں۔ چنانچہ آپ نے منتشر خیموں کو ایک جگہ ترتیب سے نصب کروایا۔ پشت پر خندق کھدوا کر آگ جلادی کہ دشمن عقب سے حملہ آور نہ ہو سکیں۔ اگلے دن صبح یہ بہتر جان نثار میدان مقابلہ میں آئے۔ دوسری طرف چار ہزار شامی تھے۔ فوج کے قریب جا کر حضرت امام حسینؓ نے بطور اتمام حجت فرمایا لوگو! میرے نسب پر غور کرو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے آپ کو ملامت کرو خیال کرو کہ میرا قتل اور میری آبروریزی تمہارے لئے زیبا ہے کہ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا تم کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ جنت کے سردار ہوں گے۔ خدا کی قسم! آج مشرق سے لے کر مغرب میں روئے زمین پر تم میں اور کسی غیر قوم میں بھی میرے سوا کسی نبی کا نواسہ موجود نہیں۔ مجھے بتاؤ کہ تم لوگ میرے خون کے کیوں خواست گار ہو؟ کیا میں نے کسی کا قتل کیا ہے، کسی کا مال لوٹا ہے؟ کسی کو زخمی کیا ہے؟ تمہی لوگوں نے مجھے بلایا تھا۔ لوگو! تم پر میرا آنا ناگوار ہے تو مجھے چھوڑ دو تا کہ میں کسی پُر امن خطہ کی طرف چلا جاؤں"

سامعین! اب حضرت امام حسینؓ کا کربلا میں ورود ہونے والا تھا۔ جب آپ نے عبید اللہ بن زیاد اور عمر بن سعد کے قافلہ کو دیکھا تو اس قافلہ نے آپ اور آپ کے رفقاء کو کربلا کی جانب موڑ دیا۔ آپ مورخہ 2 محرم 61ھ کو کربلا کے مقام پر پہنچے، جب آپ اس علاقہ میں پہنچے تو آپ نے پوچھا کہ اس جگہ کا کیا نام ہے؟ تو جواب دیا گیا اس کا نام کربلا ہے، اس پر آپ نے فرمایا۔ کرب وبلاء یعنی اس جگہ کرب و مصیبت اور آزمائش ہی ہوگی۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ہشتم صفحہ 344)

کربلا پہنچ کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب اور اہل بیت کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

اما بعد، معاملات نے ہمارے ساتھ جو صورت اختیار کر لی ہے، وہ آپ کے سامنے ہے۔ یقیناً دنیا نے رنگ بدل لیا ہے اور بہت بُری شکل اختیار کر گئی ہے۔ اس کی بھلائیوں نے منہ پھیر لیا ہے اور نیکیاں ختم ہوگئی ہیں اور اب اس میں اتنی ہی اچھائیاں باقی رہ گئی ہیں جتنی کسی برتن کی تہہ میں باقی رہ جانے والا پانی۔ اب زندگی ایسی ہی ذلت آمیز اور پست ہوگئی ہے جیسا کہ کوئی سنگلاخ اور چٹیل میدان۔ تم دیکھ رہے ہو کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور کوئی باطل سے روکنے والا نہیں ہے۔ ان حالات میں ایک مومن کو چاہیے کہ وہ خدا سے ملنے کی آرزو کرے۔ میں جانبازی اور شجاعت کی موت کو ایک سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنا میرے نزدیک ذلت اور حقارت ہے۔ لوگ دنیا کے غلام ہیں اور دین صرف ان کی زبانوں پر رہتا ہے۔ یہ بس اس وقت تک دین کے حامی ہیں جب تک ان کی زندگی آرام اور آسائش سے گزرے اور جب امتحان میں ڈالے جائیں تو دیندار بہت کم رہ جاتے ہیں۔

(تحف العقول عن آل الرسول صفحہ 174)

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ

"جب امام حسین نے ابن زیاد وغیرہ کا لشکر دیکھا تو ان سے کہا کہ یا تو ان کو یزید کے پاس لے جایا جائے تا وہ خود اس سے بات کر لیں۔ یا واپس بھیج دیا جائے یا مسلمانوں کے کسی علاقہ میں بھجوا دیا جائے۔ ان تینوں باتوں کو رڈ کر دیا گیا اور آپ سے لڑنے کے لئے ظلم و بربریت کو روا رکھا گیا۔"

(تاریخ الخلفاء صفحہ 185 والاصابۃ فی تمییز الصحابۃ الجزء الثانی صفحہ 69)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"دیکھو! کیسے امام حسین رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ہزاروں نادان یزید کے ساتھ ہو گئے اور اس امام معصوم کو ہاتھ اور زبان سے دُکھ دیا آخر بجز قتل کے راضی نہ ہوئے۔"

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 255)

حضرت امام حسین اور آپ کے اہل خانہ ورفقاء 3 سے 6 محرم تک اس لق ودق صحرائی میدان میں خیمہ زن رہے۔ اس دوران ان سے پانی کی ترسیل بھی روک دی گئی۔
7 محرم کو ابن سعد کو عبید اللہ بن زیاد کا خط ملا کہ امام حسین کے کیمپ میں پانی کی فراہمی بند کی جائے۔ اور پانی پر بھی اپنی ظالم فوج بٹھادی۔ اس کے بعد آپ سے پانی دوبارہ روک دیا گیا۔
ابو مخنف کے نزدیک ابن سعد اور حضرت امام حسین کے درمیان مذاکرات تین یا چار مرتبہ ہوئے۔ انہی مذاکرات کے ایک دور کے آخر میں عمر بن سعد نے ایک خط میں ابن زیاد کو لکھا:
”حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) نے میرے ساتھ عہد کیا ہے کہ جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس جائیں یا اسلامی ممالک کے کسی سرحدی علاقے میں چلے جائیں اور حقوق وفرائض میں دوسرے مسلمانوں کی مانند ہوں اور مسلمانوں کے فائدے اور نقصان میں شریک ہوں یا پھر خود یزید کے پاس چلے جائیں تاکہ وہ (یزید) ان کے بارے میں فیصلہ دے اور اس فیصلے کو نافذ کرے اور یہی آپ کی خوشنودی کا باعث اور امت کی مصلحت ہے۔ خط ابن زیاد نے پڑھا اور کہا، ”یہ اس مرد کا خط ہے جو اپنے امیر کا خیر خواہ اور اپنی قوم پر شفیق ہے“ ابن زیاد اس تجویز کو قبول ہی کرنے والا تھا کہ شمر بن ذی الجوشن جو مجلس میں حاضر تھا اس نے ابن زیاد کو بہت اشتعال دلایا اس پر ابن زیاد نے ذی الجوشن سے کہا، ”یہ خط عمر بن سعد کو پہنچادو تاکہ وہ حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) اور ان کے اصحاب سے کہہ دے کہ وہ میرے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کریں، اگر وہ قبول کریں تو انہیں صحیح سلامت میرے پاس روانہ کرے اور اگر قبول نہ کریں تو ان کے ساتھ جنگ کرے، اگر عمر بن سعد ایسا کرے تو اس کی اطاعت کرنا اور اس کے احکامات ماننا اور اگر انکار کرے تو اس کے ساتھ جنگ کرنا کیونکہ اس (عمر بن سعد) کے بعد تم قوم کے سردار ہو، پھر عمر بن سعد کا سر قلم کرکے میرے پاس بھیج دینا...9 محرم 61 ہجری کی شام کو شمر بن ذی الجوشن ابن زیاد کا حکم لے کر عمر بن سعد کے پاس کربلا پہنچا اور حکم نامہ عمر بن سعد کے حوالے کیا۔ عمر بن سعد نے یہ خط پڑھ کر کہا۔ ”میں خود اپنی ذمہ داری نبھاؤں گا۔“

(تاریخ الطبری (ذیول)، تاریخ الرسل والملوک، المجلد الخامس صفحہ 414)

سامعین! اب واقعہ شہادت کی طرف آتے ہیں۔ عاشوراء کے روز جنگ شروع ہوئی اور اہل بیت اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے رفقاء بڑی جوانمردی سے لڑے اور اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے۔ سب سے آخر پر حضرت امام حسین اکیلے رہ گئے۔ علامہ ابن اثیر اپنی کتاب اسد الغابۃ میں اس واقعہ کی تفصیل لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔
”یزید نے عمر بن سعد سے رَے کے علاقہ کی گورنری کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ اس نام میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کس (بدبخت) نے حضرت امام کو شہید کیا، بعض کے نزدیک سنان بن انس النخعی نے آپ کو شہید کیا اور بعض کے نزدیک شمر بن ذی الجوشن نے آپ کو شہید کیا۔ کچھ عمر بن سعد کو آپ کے قاتل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک آپ کو سنان بن انس النخعی نے شہید کیا۔ شمر نے لوگوں کو آپ کے قتل پر ابھارا تھا اور عمر بن سعد اس سارے لشکر کا سردار تھا۔“

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد دوم صفحہ 172-173)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک بار امام حسینؓ پر آنے والے مصائب ومظالم کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔
”امام حسینؓ کو دیکھو! کہ ان پر کیسی کیسی تکلیفیں آئیں۔ آخری وقت جو ان کو ابتلاء آیا تھا کتنا خوفناک ہے۔ لکھا ہے کہ اُس وقت اُن کی عمر 57 برس کی تھی۔ اور کچھ آدمی اُن کے ساتھ تھے جب 16 یا 17 آدمی ان کے مارے گئے اور طرح طرح کی گھبراہٹ اور لاچاری کا سامنا ہوا تو پھر ان پر پانی کا پینا بند کر دیا گیا اور ایسا اندھیر مچایا گیا عورتوں اور بچوں پر بھی حملے کئے گئے اور لوگ بول اُٹھے کہ اس وقت عربوں کی حمیت اور غیرت ذرا بھی باقی نہیں رہی۔ اب دیکھو! کہ عورتوں اور بچوں تک بھی اُن کے قتل کئے گئے اور یہ سب کچھ درجہ دینے کے لئے تھا۔ جاہل تو کہیں گے کہ وہ گنہگار اور بداعمال تھے اس لئے ان پر یہ تکلیف آئی مگر ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ آرام سے کوئی درجہ نہیں ملا کرتا جو لوگ ایک ہی پہلو پر زور دیتے چلے جاتے ہیں اور ابتلاؤں اور آزمائشوں میں صبر کرنا نہیں چاہتے۔ اندیشہ ہے کہ وہ دین ہی چھوڑ دیں۔ جیسے کہ شیعہ لوگ ہیں کہ اس حقیقت کو دیکھتے نہیں جو امتحانوں اور آزمائشوں کے بعد حاصل ہوا کرتی ہے اور نہ ہی اس کی پرواکرتے ہیں مگر سیاپا لگاتار کئے جاتے ہیں اور چھوڑنے میں نہیں آتے کیا امام حسینؓ نے انہیں وصیت کی تھی کہ میرے بعد میرا سیاپا کرتے رہنا؟ یاد رکھو جتنے اولیاء اللہ اور مقدس لوگ گزرے ہیں ان کے بڑے بڑے تلخ امتحان ہوئے ہیں اور جو پہلوں کا حال ہے وہ آنے والوں کے لئے ایک سبق ہے۔ یہ تو بڑی غلطی ہے کہ ایک طرف تو انسان چاہے کہ ہر طرح کی آسودگی اور آرام ہو اور خوشنودی کے سب سامان مہیا ہوں اور دوسری طرف مقرب اللہ بھی بن جاوے۔ یہ تو ایسا ہی مشکل ہے جیسے اُونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزر جانا بلکہ اس سے بھی ناممکن جب تک ابتلاؤں اور امتحانوں میں انسان پورا نہ اترے کچھ نہیں بنتا۔“ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 336)

حضرت امام بخاری آپ کی شہادت کے بعد ہونے والے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک روایت اپنی صحیح میں لائے ہیں کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک عبید اللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا اور ایک طشت میں رکھ دیا گیا تو وہ بدبخت اس پر لکڑی سے مارنے لگا اور آپ کے حسن اور خوبصورتی کے بارے میں بھی کچھ کہا کہ میں نے اس سے زیادہ خوبصورت چہرہ نہیں دیکھا۔ اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ انہوں نے وسمہ کا خضاب استعمال کر رکھا تھا۔

(صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ باب مَنَاقِبُ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ حدیث نمبر 3748)

بعض علماء و مؤرخین کے نزدیک حضرت امام حسین کا سرِ مبارک یزید کے دربار میں پیش ہوا تھا۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک خواب کا ذکر یوں ملتا ہے آپ فرماتے ہیں۔

"میں نے ایک دن دوپہر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ کے بال بکھرے ہوئے اور گرد آلود ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں خون کی ایک بوتل ہے۔ میں نے کہا:

میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حسین رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے، اسے میں صبح سے اکٹھا کر رہا ہوں۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی عراق کی جانب روانہ ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (خواب میں) دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ قَدْ شَآءَ أَنْ يَّرَاكَ قَتِيْلاً

(الملهوف علیٰ قتلیٰ الطفوف از علی بن موسیٰ بن جعفر بن طاؤس صفحہ 128)

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں مقتول دیکھنا چاہتا ہے۔ اس خواب کا ذکر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ایک جگہ کیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا۔

"میں نے ایک جگہ دیکھا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ فتوحات کے لئے دعا کرتے تھے۔ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تیرے لئے شہادت مقدر ہے اگر تو صبر نہ کرے گا تو اخیار ابرار کے دفتر سے تیرا نام کٹ جائے گا۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 299)

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسہ تھے اور ان کو نہایت بے دردی سے حد درجہ ظلم و بربریت کے ساتھ شہید کیا گیا۔ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "سید المظلومین" "امام معصوم" کے الفاظ سے یاد کیا۔ آپ کی محبت میں آنسو بہائے اور اس واقعہ کو ہمیشہ ایک دکھ آمیز داستان کے طور پر لیا۔ آپؑ نے اہل بیت اطہار سے متعلق ایک ایمان افروز کشف یوں بیان فرمایا ہے۔

"ایک مرتبہ نمازِ مغرب کے بعد عین بیداری میں ایک تھوڑی سی غَیبتِ حس سے جو خفیف سے نشاء سے مشابہ تھی۔ ایک عجیب عالم ظاہر ہوا کہ پہلے یک دفعہ چند آدمیوں کے جلد جلد آنے کی آواز آئی۔ جیسے بسُرعت چلنے کی حالت میں پاؤں کی جوتی اور موزہ کی آواز آتی ہے۔ پھر اسی وقت پانچ آدمی نہایت وجیہہ اور مقبول اور خوبصورت سامنے آ گئے یعنی پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت علی و حَسَنَین و فاطمہ زَہراء رضی اللہ عنہم اجمعین اور ایک نے اُن میں سے اور ایسا یاد پڑتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نہایت محبت اور شفقت سے مادرِ مہربان کی طرح اس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔ پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی۔ جس کی نسبت یہ بتلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے۔ جس کو علی نے تالیف کیا ہے اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔"

(براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ 503-504 بار اول حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

سامعین! یوم عاشوراء جنگ شروع ہوئی اور ختم ہو گئی۔ وجہ تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا خانوادہ شہید کر دیا گیا، ایک کسمپرسی کا عالم، ہر طرف لاشے بکھرے ہوئے، عورتوں میں آہ و فغاں، زین العابدین شدید مضمحل، جن رخساروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوما کرتے آج وہ کسی بدبخت کے نیزے پر چڑھے ہوئے تھے!!! عجیب جنگ تھی کہ شہید کرنے والے بھی اللہ اکبر کہہ رہے تھے اور شہید ہونے والے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر رہے تھے۔ مگر ان دونوں نعروں میں بہت فرق تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قتل عام نے اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ واقعہ کربلا یاد رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم درس

کربلا کو یاد رکھیں۔ ہمیشہ حسینیت پر قائم رہیں اور حسینیت کا پرچار کریں۔ یزیدیت کو تحت اقدام ردّ کریں اور مسترد کریں۔ اپنا اور اپنے ماحول کا جائزہ لیں کہ کیا ہم کسی اعتبار سے یزیدیت کے پیرو تو نہیں بن رہے؟ کیا ہمارے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ ہیں؟ کیا ہم جھوٹ کا ساتھ کسی بھی مصلحت پسندی کے طور پر تو نہیں دے رہے؟ کیا ہم میں پیسے کا، جاہ و حشمت کا، طاقت کا، عزت کا، نمود و نمائش کا غرور تو نہیں؟ کیا ہم سچ کی خاطر سر کٹانا جانتے ہیں؟ کیا ہم جو ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر سر کٹا سکتے ہیں تو کیا ہم دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات ماننے کے لئے تیار ہیں؟ یہ ہے دراصل درس کربلا... حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم و آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک سرمایا ہے اور اس سرمائے کی حفاظت دراصل اس کے درس کی حفاظت کا نام ہے۔

جان و دلم فدائے جمال محمد است

خاکم نثار کوچۂ آل محمد است

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔